دور نبوی ﷺ میں دعوت و تفہیم دین کے ذرائع ابلاغ کا تجزیاتی مطالعہ

غازی عبدالرحمن قاسمی*
عبدالقدوس صہیب**

Abstract

Islam values preaching theology which is rooted in doing good and forbidding evils. So, Allah sent Prophets for the theological rectification of humans, and the Holy Prophet PBUH is the last Prophet sent by Allah for this purpose. He invited people to recognize Allah as their creator, to identify Satan as their enemy and prohibited them to follow the latter. The Holy Prophet PBUH adopted various means, in accordance with the peoples' psychology and their ways – as one method or means cannot be generalized, to convey people the message of Deen. The means the Holy Prophet PBUH adopted are beneficial for us even today for the preaching of Deen. The following paper debates on the means and method of preaching the Holy Prophet utilized.

Keywords: Message of Deen, Means of Communication, Current Needs

ذرائع ابلاغ کی اہمیت و ضرورت ہر زمانہ میں رہی ہے انسانی معاشروں کی تعمیر و ترقی میں اس کا کلیدی کردار ہے اسی کی بدولت مختلف تہذیبوں اور معاشروں کے حالات، واقعات ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے، ماضی کی قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں، ان کے کارنامے ان کا طرز زندگی معاشرتی رہن سہن کے طور طریقے بعد والوں تک پہنچے جس سے انسان نے سبق سیکھا اور اپنے آج و کل کو مزید بہتر بنانے کی طرف متوجہ ہوا۔ آج ہمارے پاس قرآن و حدیث، سیرت النبی ﷺ، ائمہ و مجتہدین، فقہائے اسلام، محدثین، مفسرین کی دین کی تبلیغ و تفہیم اور نشر و اشاعت کے لیے کئی گئی کاوشیں، مسلم علماء اور سائنسدانوں کے ایجاد کردہ علوم و فنون اور کتب و رسائل ہم تک پہنچے ہیں تو یہ سب ذرائع ابلاغ کا ہی مرہون منت ہے دور نبوی ﷺ میں بھی دین متین کی اشاعت کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے گئے جن کا زیر نظر آرٹیکل میں ذکر کیا جارہا ہے۔

*لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج ملتان، پاکستان۔
**چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

حفظ:

دور نبوی ﷺ میں قرآن کریم اور احادیث کو زبانی یاد کرنے کا بھرپور اہتمام تھا بلکہ کتابت سے زیادہ حفظ پر زور دیا جاتا تھا۔

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (م-۴۶۳ھ) حضرت امام مالکؒ (م-۱۷۹ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں انہوں نے کہا:

ولم یکن القوم یکتبون انما کانوا یحفظون فمن کتب منهم الشئی فانما کان یکتبہ لیحفظہ فاذا حفظہ محاہ[1]

"لوگ زیادہ لکھتے نہ تھے بلکہ حفظ کرتے تھے اور جو کوئی کچھ لکھتا تھا تو اس کا مقصد بھی یاد کرنا ہوتا تھا اور جب وہ یاد کر لیتا تو لکھی ہوئی چیز کو مٹا دیتا۔"

چونکہ عربوں کے حافظے بہت قوی تھے وہ قصائد، اشعار، انساب وغیرہ کو یادداشت میں محفوظ کرتے تھے تو دینی علوم کو کیوں نہ حفظ کرتے؟ جبکہ آپ ﷺ کی یہ دعا بھی سامنے آ چکی تھی:

نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ[2]

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے یاد رکھا یہاں تک کہ اسے دوسروں تک پہنچایا۔"

وہ لوگ جو معمولی اور عام باتوں کو اس طرح یاد رکھتے تھے کہ وہ بھولتی نہیں تھیں تو اس بشارت اور دعا کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا دینی علوم کے ساتھ کس قدر اشتغال بڑھا ہوگا۔ چنانچہ جیسے قرآن کریم کے حفاظ تھے ویسے ہی حافظ الحدیث علماء کی بھی ایک کثیر تعداد دامن تاریخ میں محفوظ ہے۔ حفظ سے نہ صرف یہ مقدس ذخیرہ محفوظ ہوا بلکہ جیسے جیسے صحابہ کرامؓ مختلف علاقوں میں پھیلے ویسے ہی دعوت دین کا ابلاغ ہوا۔

کتابت:

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ اہل عرب کا زیادہ تر انحصار اپنے حافظہ پر تھا تاہم جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ قرآن و حدیث کو حفظ کے ساتھ ساتھ لکھ کر بھی اپنے پاس محفوظ و جمع کر رہے تھے کاغذ چونکہ عام دستیاب نہ تھا اس

[1] ابن عبدالبر مالکی، ابو عمر، یوسف بن عبداللہ، **جامع بیان العلم وفضلہ**، (السعودیہ: دار ابن الجوزی، ۱۴۱۴ھ)، ۱: ۲۷۴

[2] الترمذی، محمد بن عیسی، **السنن**، (مصر: مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ)، ۵: ۳۳، حدیث: ۲۶۵۶

لیے کھجور کی شاخوں، درختوں کے پتوں، اونٹ اور بکری کے شانوں کی ہڈیوں، جانوروں کے چمڑوں اور کھالوں، پالان کی لکڑیوں اور چوڑے چھلکے اور پتلے پتلے پتھروں پر کتابت ہوتی تھی۔[3]

باقی جس روایت سے کتابت حدیث کی ممانعت ملتی ہے۔[4] اس کا تعلق خاص نزول قرآن کے وقت سے تھا تاکہ قرآن کریم کا حدیث سے التباس نہ ہو۔ یا ایک ہی جگہ قرآن و حدیث کو اکھٹا نہ لکھا جائے اور الگ الگ لکھنے کی اجازت تھی۔ یا نہی والی حدیث مقدم ہونے کی وجہ سے منسوخ اور اباحت والی احادیث متاخر اور ناسخ ہیں۔[5] اباحت کتابت حدیث پر بہت سی روایات دال ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ دور نبوی ﷺ میں کاتبوں کی تعداد چھبیس تھی اور بعض علماء نے بیالیس تک بھی ذکر کی ہے۔[6] جن سے بعد والوں کو فائدہ پہنچا اور اس طرح نسل در نسل کتب مقدسہ نقل ہوتیں ہم تک پہنچیں۔

مذاکرے:

صحابہ کرامؓ علوم دینیہ واسلامیہ کو حاصل کر کے ایک دوسرے سے مذاکرے کرتے تھے کیونکہ جس چیز کا بار بار تذکرہ کیا جائے وہ مستحضر رہتی ہے۔ اور اس طرح ایک بات جو پہلے دوسرے کو معلوم نہ تھی وہ بھی اس سے باخبر ہو جاتا اس طرز عمل سے علوم نہ صرف تروتازہ رہتے تھے بلکہ دیگر افراد کو بھی ان کی سماعت سے فائدہ ہوتا تھا اور اس طرح ابلاغ کا سلسلہ جاری رہتا۔

اس کی بھی بہت سی امثلہ موجود ہیں صرف بات کی وضاحت کے لیے ایک خوبصورت مذاکرہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جسے امام قرطبیؒ (م-۶۷۱ھ) نے سورۃ الاسراء کی آیت نمبر ۸۴ کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

ایک مرتبہ خلفاء راشدین کے درمیان قرآن کریم کے حوالہ سے مذاکرہ ہوا کہ اس میں کونسی آیت سب سے زیادہ امید دلانے والی ہے؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے پورے قرآن کریم کو اول تا آخر پڑھا ہے میرے نزدیک وہ آیت ہے:

---

[3] تفصیلات کے لیے دیکھیے، **تاریخ تدوین حدیث**، مولفہ، مولانا عبدالرشید نعمانی، (ناشر، سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، رائے بریلی، ۲۰۰۲ء)، ۳۷-۶۰، تدوین الحدیث، مولفہ مولانا مناظر احسن گیلانی، (دار الغرب الاسلامی، ۲۰۰۴ء)، ۶۷-۹۱

[4] مسلم بن الحجاج، **الصحیح**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، س ن) ، ۴: ۲۲۹۸، حدیث: ۳۰۰۴

[5] ابن حجر عسقلانی، **فتح الباری شرح صحیح البخاری**، ۱: ۲۰۸

[6] الحلبی، علی بن ابراہیم، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۷ھ)، ۳: ۴۵۷

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ[7]

''کہہ دو کہ ہر ایک اپنے طریقے کے مطابق عمل کرتا ہے۔''

اس کے بعد فرمایا:

فإنه لا يشاكل بالعبد إلا العصيان ولا يشاكل بالرب إلا الغفران[8]

''بندے کی فطرت اور طبیعت نہیں ہوتی مگر عصیان کہ اس سے گناہ ہوتے ہیں اور رب تعالی کی فطرت نہیں مگر غفران کہ وہ معاف کرتا ہے۔''

حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ آیت ہے:

حٰمٓ۔تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ[9]

''حم۔یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور سخت عذاب دینے والا اور صاحب کرم ہے۔''

اس کے بعد فرمایا:

قدم غفران الذنوب على قبول التوبة، وفي هذا إشارة للمؤمنين[10]

''اس آیت میں گناہوں کو توبہ کی قبولیت پر مقدم کیا گیا ہے اور اس میں مومنوں کے لیے اشارہ ہے۔''

حضرت عثمانؓ نے فرمایا میرے نزدیک وہ آیت ہے:

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ[11]

''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں۔''

آخر میں حضرت علیؓ نے فرمایا میرے نزدیک وہ آیت ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ[12]

---

[7] الاسراء:۸۴

[8] القرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، **الجامع لاحکام القرآن**، (القاہرہ: دارالکتب المصریہ، ۱۳۸۴ھ)، ۱۰: ۳۲۲

[9] الغافر:۳،۲،۱

[10] القرطبی، **الجامع لاحکام القران**، ۱۰: ۳۲۲

[11] الحجر:۴۹

'' کہہ دوائے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں بیشک اللہ سب گناہ بخش دے گا بیشک وہ بخشنے والا رحم والا ہے۔''

امام قرطبیؒ اس مذاکرہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے بھی اول تا آخر پورا قرآن مجید پڑھا ہے میرے نزدیک وہ آیت ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ[13]

'' جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک نہیں ملایا امن انہیں کے لیے ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔''

اس مذاکرہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ اپنے علوم وافکار اور حاصل مطالعہ کا ایک دوسرے سے تبادلہ کرتے تھے۔

تعامل:

نبی کریم ﷺ نے امت کو جو احکامات دیے ان پر خود بھی عمل پیرا ہوئے اسی لیے تو قرآن کریم میں اتباع نبوی ﷺ کا حکم دیا گیا۔[14] چنانچہ اصحاب رسول ﷺ جو کچھ آپ ﷺ سے سنتے یا دیکھتے تو اس پر عمل کرتے اس طرح عبادات، معاملات، اخلاقیات سمیت دیگر دین کی باتوں پر عمل سے ان کے تلامذہ تک ان تمام باتوں کا ابلاغ ہوا چنانچہ بہت سی دینی باتیں نسل در نسل تعامل اور تواتر سے ہم تک پہنچی ہیں۔

بذریعہ سفراء وخطوط:

دعوت دین کے لیے آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کی طرف خطوط بھجوائے جن میں ان تک دین کا پیغام پہنچایا گیا۔ خط میں چونکہ مکمل تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی صرف اہم نکات ہی ذکر کیے جاسکتے ہیں اس لیے ان کی مزید توضیح و تشریح کے لیے سفیر بھی ساتھ روانہ کیے گئے تاکہ مخاطب کو اگر کسی بات میں ابہام ہو تو سفیر اس پر روشنی ڈال سکے۔

---

[12] الزمر:۵۳

[13] الانعام:۸۲

القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۰: ۳۲۳

[14] آل عمران:۳۱

چنانچہ روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف حضرت دحیہ کلبیؓ،فارس کے بادشاہ کسریٰ کی طرف حضرت عبداللہ بن حذافہ ؓ،شاہ حبشہ نجاشی کی طرف حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ،شاہ مصر مقوقس جو قبطی قوم کا بادشاہ تھا اس کی طرف حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ،بحرین کے بادشاہ منذر بن ساوی العبدی کی طرف حضرت علا بن الحضرمیؓ،اور عمان کے حکمران جلندی کے دو بیٹے تھے جیفر اور عبدی ان کی طرف حضرت عمرو بن العاصؓ،یمامہ کے بادشاہ ہوذہ کی طرف حضرت سلیط بن عمرو العامریؓ،اور دمشق کے بادشاہ حارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف حضرت شجاع بن وہبؓ کو خطوط سمیت روانہ کیا۔[15]

اسی طرح کتب حدیث و سیر میں آپ ﷺ کے ان خطوط و مکاتیب کا بھی تذکرہ ملتا ہے جو آپ ﷺ نے دور دراز علاقوں میں مقیم مختلف صحابہ کرامؓ م کو بھیجے۔

حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن حزمؓ سے روایت ہے:

أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِي كَتَبَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: أَنْ لَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ[16]

''جو کتاب رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کے لیے لکھی تھی اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن نہ چھوئے مگر جو شخص باوضو ہو۔''

حضرت عبداللہ بن عکیمؓ فرماتے ہیں:

أَتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ المَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ[17]

''نبی کریم ﷺ کی کتاب ہمارے پاس آئی جس میں یہ لکھا تھا کہ مردار کی کھال اور پٹھوں سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔''

مردار کی کھال سے دباغت کے بعد نفع اٹھانا جائز ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت ہے اور یہی جمہور کا مذھب ہے اور اس حدیث میں جو ممانعت ہے اس کا تعلق قبل از دباغت سے ہے۔[18]

---

[15] امام نورالدین الحلبیؒ(م-۱۰۴۴ھ)نے آپ ﷺ کے سفراء کے ہاتھ بھیجئے ہوئے خطوط ان کی تفصیل، مخاطبین کا طرز عمل، جواب وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی ہے جو اصل کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔(الحلبی ، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون ،المعروف السیرۃ الحلبیہ ، ۳: ۳۳۹۔۳۵۷)

[16] مالک بن انس،الموطا،ابوظبی،**الامارات**،(موسسۃ زاید بن سلطان،۱۴۲۵ھ)،۲: ۲۷۸،حدیث: ۶۸۰

[17] الترمذی،**السنن**،۴: ۲۲۲،حدیث:۱۷۲۹

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے حضرت موسیٰ بن طلحہؓ فرماتے ہیں:

عِنْدَنَا كِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ إِنَّمَا أَخَذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ[19]

"کہ ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مکتوب گرامی ہے جسے نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں گیہوں، جو، انگور اور کھجوروں کی زکوۃ وصول کروں۔"

اس حدیث یہ استدلال نہ کیا جائے کہ اس میں صرف چار چیزوں کا ذکر ہے لہذا زکوۃ انہی میں واجب ہے اس لیے کہ وہاں صرف یہی چار چیزیں پائی جاتی تھیں اس لیے خاص طور پر انہی کا ذکر ہے۔[20]

مذکورہ بالا احادیث میں جو کتاب کا لفظ آیا ہے اس سے مراد "مکتوب" ہے۔ اس لیے کہ کتاب بروزن فعال بمعنی مکتوب بھی مستعمل ہے جیسا کہ بساط بمعنی مبسوط ہے۔[21]

الغرض خطوط و مکاتیب بھی اس دور میں ابلاغ کا ایک ذریعہ تھا جو کہ آج تک جاری ہے۔

بذریعہ مبلغین:

دعوت و تفہیم دین کے ابلاغ کے لیے آپ ﷺ نے مبلغین کو بھی مختلف اوقات میں مختلف مقامات کی طرف روانہ کیا۔ جیسا کہ اہل مدینہ کی طرف حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو بھیجا جو انہیں

---

[18] الدینوری، ابن قتیبہ، ابو محمد، عبداللہ بن مسلم، **تاویل مختلف الحدیث**، (موسسۃ الاشراق، المکتب الاسلامی، ۱۴۱۹ھ)، ۲۵۶

الخطابی، حمد بن محمد، ابو سلیمان، معالم السنن، حلب، (المطبعۃ العلمیہ، ۱۳۵۱ھ)، ۴: ۲۰۳

[19] النیساپوری، الحاکم، محمد بن عبداللہ، **المستدرک علی الصحیحین**، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ)، ۱: ۵۵۸، حدیث: ۱۴۵۷

[20] ملا علی القاری، **مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح**، ۴: ۱۲۹۱

[21] الحموی، احمد بن محمد بن علی الفیومی، **المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر**، (بیروت: المکتبۃ العلمیہ، س ن)، ۱: ۱۹

قرآن کریم کی تعلیم اور دینی مسائل سکھلاتے تھے۔[22] حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو اہل یمن کی طرف بھیجا گیا۔[23]

اسی طرح باہر سے آنے والے حضرات کو دین کی بنیادی باتوں سکھلا کر آپ ﷺ انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجتے تھے کہ جا کر انہیں تبلیغ کرو جیسا کہ حضرت مالک بن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ ہم بیس دن آپ ﷺ کے پاس ٹھہرے پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلاَةُ، فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ[24]

''اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ انہیں سکھلاؤ اور تم نے جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھا ہے ویسے ہی نماز پڑھو جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔''

اسی طرح وفد عبد القیس جب حاضر خدمت ہوا تو انہیں شہادتین، نماز، زکوۃ، روزہ وغیرہ کی تعلیم دے کر فرمایا:

احْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوهُ مَنْ وَرَاءَكُمْ[25]

''ان باتوں کو یاد کرو اور جو لوگ پیچھے چھوڑ آئے ہو انہیں بھی جا کر بتاؤ۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م-۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

لأن مكة لما فتحت بادر العرب بإسلامهم فكان كل قبيلة ترسل كبراءها ليسلموا ويتعلموا ويرجعوا إلى قومهم فيدعوهم إلى الإسلام ويعلموهم[26]

---

[22] البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، **الجامع الصحیح**، (دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)، ۵: ٦٦، حدیث: ۳۹۲۵
ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء، **الفصول فی السیرہ**، (موسسۃ علوم القرآن، ۱۴۰۳ھ)، ۱۱۰
الحلبی، **انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون**، المعروف السیرۃ الحلبیہ، ۲: ۱۱

[23] البخاری، **الصحیح**، ۵: ۱٦۲، حدیث: ۴۳۴۴

[24] البخاری، **الصحیح**، ۸: ۹، حدیث: ٦۰۰۸

[25] البخاری، **الصحیح**، ۱: ۲۹، حدیث: ۸۷

[26] ابن حجر عسقلانی، **فتح الباری**، (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۳۷۹ھ)، ۱۰: ۲۹۸

''جب مکہ فتح ہوا تو عرب نے اسلام قبول کرنے کی طرف جلدی کی ہر قبیلہ اپنے بڑے لوگوں کو بھیجتا تھا کہ وہ اسلام قبول کریں اور اسلامی تعلیمات سیکھ کر اپنی قوم کی طرف لوٹیں انہیں اسلام کی دعوت دیں اور دین کی باتیں سکھلائیں۔''

اصحاب رسول ﷺ کا بھی یہ طرز عمل تھا کہ وہ دین کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ یہ باتیں آگے پہنچانے کی تلقین کرتے۔

حضرت ابوامامہؓ اپنے تلامذہ اور حلقہ احباب کو فرماتے تھے:

ألا وإنه أمرنا أن نبلغكم ذلك عنه، ألا وقد فعلنا فأبلغوا عنا ما بلغناكم[27]

''یاد رکھو آپ ﷺ نے ہمیں تم لوگوں تک تبلیغ کا حکم دیا تھا یاد رکھنا تحقیق ہم نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا لہذا جو کچھ ہم سے تمہیں پہنچا ہے انہیں اوروں تک پہنچاؤ۔''

چنانچہ اس طرح دعوت و تبلیغ کا کام آگے بڑھتا گیا۔

بذریعہ نداء اور شاعری:

عرب میں رواج تھا کہ جب کوئی اہم بات یا خطرہ محسوس کرتے تھے تو وہ یا صباحاہ سے ندا لگاتے تھے جس سے لوگ فوری طور پر اکھٹے ہو جاتے تھے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ[28]

''اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے۔''

تو آپ ﷺ نے کوہ صفاء پر کھڑے ہو کر یا صباحاہ کہہ لوگوں کو بلانے لگے جب وہ جمع ہو گئے تو فرمایا:

أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هَذَا الجَبَلِ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ» قَالُوا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا، قَالَ: «فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ[29]

---

[27] ابن الاثیر، علی بن محمد، **اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ**، (دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ)، ۳ : ۱۵

[28] آل عمران: ۱۱۰

[29] البخاری، **الجامع الصحیح**، ٦: ۱۷۹، حدیث: ۴۹۷۱

"بتلاؤ! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے دامن سے نکلنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے ؟لوگوں نے کہا کہ ہمیں تم سے جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔"

چونکہ یاصباحاہ کا استعمال خطرے کے وقت کیا جاتا تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس کے ذریعے نداء لگائی اور مذکورہ بالا بات کہہ کر یہ بتلادیا کہ میری بات مان لو و گرنہ سخت عذاب تم پر آجائے گا۔ چونکہ عرب میں ابلاغ کا یہ بھی ایک طریقہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے اسے بھی اختیار فرمایا۔

شعر و شاعری بھی ابلاغ کا ایک موثر ذریعہ ہے جس سے مخاطب تک مرصع، مقفی، مسجع انداز میں پیغام پہنچتا ہے جو بسا اوقات سیدھا دل و دماغ میں اتر جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا:

إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً[30]

"تحقیق بعض شعر پر حکمت ہوتے ہیں۔"

دور نبوی ﷺ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں ایک حدیث میں ہے "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کی مجلس میں اشعار اور زمانہ جاہلیت کی باتیں سناتے اور بسا اوقات آپ ﷺ اس پر مسکرا دیتے۔"[31] خلفاء راشدین بھی اشعار کہتے تھے اور حضرت علیؓ کے اشعار تو ان حضرات کی بنسبت زیادہ ہیں اور دیگر صحابہ بھی دوسروں کے اشعار موقع محل کی مناسبت سے استعمال کرتے تھے۔[32]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ "کبار صحابہ کرامؓ اور تابعین اشعار سنتے اور سناتے تھے۔"[33]

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے "کہ اصحاب رسول ﷺ باذوق تھے ان کی مجالس میں اشعار پڑھے جاتے اور زمانہ جاہلیت کی باتیں سنائی جاتیں تھیں لیکن جب کوئی ایسا شعر یا بات سامنے آتی جو دینی نقطہ نظر سے

---

[30] البخاری، **الجامع الصحیح** ، ۴: ۳۰، حدیث: ۲۸۶۴

[31] احمد بن حنبل، ابو عبداللہ، **المسند**، (موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ)، ۳۴: ۴۳۶، حدیث: ۲۰۸۵۳

[32] ابن الجوزی، عبدالرحمن بن علی، ابو الفرج، **کشف المشکل من حدیث الصحیحین**، (الریاض: دار الوطن، س ن)، ۱: ۲۵۰

[33] ابن حجر عسقلانی، **فتح الباری شرح صحیح البخاری**، ۱۰: ۵۴۰

درست نہ ہوتی تو وہ اسے ناپسند کرتے ہوئے آنکھیں نکال لیتے تھے۔"[34] صحابہ کرامؓ میں سے حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالکؓ کا شعر و شاعری کے حوالہ سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دفاع میں خاصا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت کعب بن مالکؓ کے اشعار جنگی لحاظ سے اس قدر زور کلام پر مشتمل ہوتے تھے کہ کفار اور مشرکین کو جنگ سے خوفزدہ کر دیتے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کفار کو ان کے کفر و شرک پر عار دلاتے تھے اور حضرت حسانؓ آپ ﷺ اور دین کے دشمن کفار کے حسب و نسب پر کلام کرتے تھے[35]۔

حضرت حسان بن ثابتؓ نے آپ ﷺ کی شان میں بہت سے اشعار کہے ہیں جن کی تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے بسا اوقات مسجد میں بھی آپ ﷺ کی اجازت سے اشعار کہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکیؒ (م-۴۶۳ھ) اور امام نوویؒ (م-۶۷۶ھ) نے لکھا ہے "کہ مسجد میں بھی اشعار کہنا جائز اور مستحب ہے جب وہ آپ ﷺ اور اسلام کی تعریف میں ہوں۔ بری باتوں اور جھوٹ سے پاک ہوں، اپنے آباؤ اجداد جو کافر تھے ان کے فخر و غرور کے تذکرہ سے خالی ہوں اور اگر یہ موخر الذکر باتیں پائی جائیں تو پھر مسجد اور باہر بھی ایسے اشعار کہنا جائز نہیں۔"[36] چنانچہ یہی روایت مسلمانوں میں آج تک رہی کہ منظوم کلام اور اشعار کی صورت میں دعوت دین دی گئی۔

باقی رہی یہ بات کہ کیا آپ ﷺ نے خود بھی کبھی اشعار کہے یا دوسروں کے کہے اشعار پڑھے ہوں؟ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ شاعر نہیں تھے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ[37]

"اور ہم نے پیغمبر کو نہ تو شاعری سکھائی اور نہ ہی یہ آپ کی شان کے لائق تھی۔"

---

[34] ابن ابی شیبہ، ابو بکر، **المصنف فی الاحادیث والآثار**، (الریاض: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ)، ۵: ۲۷۸، حدیث: ۲۶۰۵۸

[35] ابن عبدالبر مالکی، یوسف بن عبداللہ، ابو عمر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، (بیروت: دارالجیل، ۱۴۱۲ھ)، ۳: ۱۳۲۴

[36] ابن عبدالبر مالکی، یوسف بن عبداللہ، ابو عمر، **الاستذکار**، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ)، ۲: ۳۶۸

النووی، یحیی بن شرف، ابوزکریا، **المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ)، ۱۶: ۴۶

[37] یسین، ۶۹

اس لیے کہ شعراء کا اکثر کلام حقائق سے دور محض تخیلاتی ہوتا ہے جس کا مقصد طبیعت میں نشاط اور انبساط پیدا کرنا ہوتا ہے اور یہ بات نبی کے شایان شان نہیں کہ اس کا کلام حقیقت سے دور اور محض مبنی پر تخیل ہو۔

برصغیر کے نامور عالم علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ (م-۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

أي لا ينبغي للنبيّ أن يحتوي كلامه على المضامين المَخِيلة الصرفة، التي لا حقيقة تحتها، وإنما هي لانبساط النفس، ونشاطها لا غير، وإنَّما الأليقُ بشأنها أنَّ يتعرض إلى الحقائق الواقعية. دون الاعتباريات المحضة[38]

''یعنی یہ بات نبی کی شان کے مناسب نہیں کہ اس کا کلام تخیلاتی مضامین پر مشتمل ہو جن کی کوئی حقیقت نہ ہو، اس لیے کہ اشعار نفس کے انبساط اور نشاط کے لیے کہے جاتے ہیں اور نبی کی شان کے زیادہ لائق یہی بات ہے کہ وہ حقائق واقعیہ کی طرف التفات کرے نہ کہ محض فرضی باتوں سے۔''

مگر کبھی کبھار آپ ﷺ کی زبان مبارک سے مسجع کلمات، ہم وزن الفاظ اور رجز جاری ہوئے ہیں۔ ایک غزوہ میں آپ ﷺ کی انگلی مبارک زخمی ہوگئی تو اس موقع پر فرمایا:

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ، وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتِ[39]

''تو ایک انگلی ہے، جو خون آلود ہوگئی اور تو نے جو پایا اللہ کی راہ میں پایا۔''

غزوہ خندق کے موقع پر انصار اور مہاجرین کی تکلیف اور بھوک کی کیفیت دیکھ کر فرمایا:

اللَّهُمَّ لاَ عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَهْ ... فَأَكْرِمِ الأَنْصَارَ، وَالمُهَاجِرَهْ[40]

''اے اللہ زندگی بیشک آخرت ہی کی زندگی ہے اور میرے اللہ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔''

غزوہ حنین کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا النَّبِيُّ لاَ كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ المُطَّلِبْ[41]

''میں سچا نبی ہوں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔''

---

38 الکشمیری، انور شاہ، سید، **فیض الباری شرح صحیح البخاری**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۶ھ)، ۶: ۱۶۴

39 البخاری، **الصحیح**، ۴: ۱۸، حدیث: ۲۸۰۲

40 البخاری، **الصحیح**، ۴: ۵۰، حدیث: ۲۹۶۱

41 البخاری، **الصحیح**، ۴: ۳۰، حدیث: ۲۸۶۴

بعض لوگوں کو ان پر شعر کا گمان ہوا لیکن محققین کی رائے میں ان کو اشعار نہیں کہا جائے گا کیونکہ یہ بلا قصد آپ ﷺ کی زبان سے جاری ہوئے اور شعر میں شاعر کا قصد ہوتا ہے۔[42]

رہا سوال کا دوسرا حصہ کہ کیا آپ ﷺ نے کسی شاعر کے کہے اشعار بطور استشہاد پڑھے؟ تو اس بارے میں احادیث موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات دوسروں کے کہے اشعار موقع و محل کی مناسبت سے ادا کیے ۔ایک بار فرمایا:

أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ ، كَلِمَةُ لَبِيدٍأَلاَ كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلاَ اللَّهَ بَاطِلٌ[43]

''کہ شاعر کی سب سے سچی بات لبید کی بات ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے سوائے ہر چیز باطل ہے۔''

یہاں باطل سے عمومی معنی مراد نہیں جو صحیح اور حق کے برعکس ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد مٹ جانے اور فنا ہونے کے ہیں۔

قاضی عیاضؒ (م-۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

ومعنى باطل هنا: مضمحل أو فان وأما الذى هو ضد الصحيح والصدق فلم يرده؛ إذ لا ينطلق على هذا باطل من هذه الجهة[44]

''اور باطل کا معنی یہاں زوال پذیر یا فنا ہونے کے ہیں رہا وہ باطل جو صحیح اور سچائی کی ضد ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے کیونکہ اس جہت سے اس کا اطلاق درست نہیں ہے۔''

کیونکہ اگر باطل سے مراد حق کی ضد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز حق نہیں ہے ،جبکہ شریعت نے بہت سی چیزوں کے سچا اور برحق ہونے پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے سوال کیا گیا ''کہ کیا نبی کریم ﷺ بطور مثال اشعار پڑھتے تھے''؟ تو انہوں نے فرمایا ''ہاں'' ، کبھی کبھار حضرت عبداللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھتے تھے:

وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ[45]

---

[42] ابن بطال، علی بن خلف، ابوالحسن، **شرح صحیح البخاری لابن بطال**، (الریاض: مکتبۃ الرشد، ۱۴۲۳ھ)، ۵: ۱۹
النووی، **المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج**، ۱۲: ۱۱۹، ۱۱۸

[43] البخاری، **الصحیح**، ۸: ۳۴، حدیث: ۶۱۴۵

[44] قاضی عیاض، ابوالفضل، **اکمال المعلم بفوائد مسلم**، (مصر: دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ)، ۷: ۱۹۸

[45] الترمذی، **السنن**، ۵: ۱۳۹، حدیث: ۲۸۴۸

'' تمہارے پاس وہ لوگ خبریں لائیں گے جن کو تم نے زادِ راہ فراہم نہیں کیا۔''

اور بھی مثالیں موجود ہیں اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

رہا یہ اشکال کہ قرآن کریم میں تو شعراء کی مذمت کی گئی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ [46]

''اور شاعروں کے پیچھے گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں۔''

اس سے تو گزشتہ بحث کی نفی ہو رہی ہے امام بغویؒ (م-۵۱۰ھ) نے اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد جو نتیجہ نکالا ہے اس سے مذکورہ اشکال رفع ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

قال أهل التفسير: أراد شعراء الكفار الذين كانوا يهجون رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر مقاتل أسماءهم، فقال: ---- ثم استثنى شعراء المسلمين الذين كانوا يجيبون شعراء الجاهلية، ويهجون الكفار، وينافحون عن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه، منهم حسان بن ثابت وعبد الله بن رواحة وكعب بن مالك[47]

''کہ مفسرین کرامؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ کفار شعراء ہیں جو نبی کریم ﷺ کی ہجو اور جھوٹی بے بنیاد باتیں کرتے تھے مقاتلؒ نے ان کے نام ذکر کیے ہیں ان میں عبداللہ بن الزبعری السھمی، ھبیرہ بن ابی وھب المخزومی، مشافع بن عبد مناف، ابو عزہ بن عبداللہ الجمحی، امیہ بن الصلت الثقفی شامل ہیں یہ لوگ آپ ﷺ کے بارے میں جھوٹی اور ناحق باتیں کرتے اور کہتے کہ جیسا محمد ﷺ کہتے ہیں ویسے ہی ہم کہتے ہیں یہ لوگ اشعار کہتے اور کچھ گمراہ لوگ جمع ہو کر آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ہجو پر مبنی اشعار سنتے اور آگے نقل کرتے۔ اور رہے وہ مسلمان شعراء جو جاہلیت کے شعراء کا جواب دیتے تھے اور کفار کی ہجو کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ کی طرف سے دفاع کرتے تھے جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالکؓ یہ اس آیت کا مصداق نہیں ہیں بلکہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔''

معلوم ہوا اس آیت کا مصداق وہ شعراء ہیں جو بے اعتدالی، ناحق اور کذب و گمراہی پر مبنی اشعار کہتے ہیں اور جو لوگ اپنی اس صلاحیت کا شرعی اصول کے پیش نظر سچائی اور حق و صداقت کے پیغام کو بلند کرنے کے لیے، اسلام کی تائید اور نصرت کے لیے صحیح استعمال کرتے ہیں ان کے لیے اس ذریعہ کو اختیار کرنے کی اجازت ہے۔

---

[46] یسین، ۶۹

[47] البغوی، الحسین بن مسعود، محی السنہ، **معالم التنزیل فی تفسیر القرآن**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ)، ۳: ۴۸۵

علامہ ابن بطالؒ (م-۴۴۹ھ) لکھتے ہیں:

فما كان فيه ذكر تعظيم الله ووحدانيته وقدرته وإيثار طاعته وتصغير الدنيا والاستسلام له تعالى كنحو ماأورده البخارى فى هذا الباب فهو حسن مرغب فيه وهو الذى قال فيه عليه السلام: «أ إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً»وما كان منه كذبًا وفحشًا فهو الذى ذمه الله ورسوله[48]

''وہ اشعار جن میں اللہ تعالی کی تعظیم، وحدانیت، قدرت، اطاعت، دنیا کی تحقیر، استسلام وغیرہ کا بیان ہو تو وہ پسندیدہ اور مرغوب ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ اس باب میں لائے اور یہ وہی اشعار ہیں جن کے بارے میں فرمان نبوی ﷺ ہے رہے وہ اشعار جو جھوٹ اور فحش کلام پر مبنی ہوں ان کی اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے مذمت کی ہے۔''

اور وہ واعظین اور مقررین جو عوام الناس میں دوران تقریر اشعار کا استعمال کرتے ہیں اس بارے میں بھی اہل علم نے صراحت کی ہے کہ ایسے عشقیہ اشعار جس میں محبوب کے حسن و جمال، وصل کی لذت اور فراق کے صدمہ کا ذکر ہو جس سے لوگوں کے افکار و خیالات متزلزل ہوں اور وہ شہوانی جذبات کو ابھاریں تو ان سے مکمل کنارہ کشی کی جائے صرف وہ اشعار پڑھنے کی اجازت ہے جس سے نصیحت اور حکمت کی باتیں حاصل ہوں تاکہ لوگوں کے قلوب و ذہن کو مانوس کر کے دینی تعلیمات کی طرف لایا جائے۔

ابو حامد امام غزالیؒ (م-۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

وأكثر ما اعتاده الوعاظ من الأشعار ما يتعلق بالتواصف في العشق وجمال المعشوق وروح الوصال --- فلا ينبغي أن يستعمل من الشعر إلا ما فيه موعظة أو حكمة على سبيل استشهاد واستئناس[49]

''اکثر واعظین کے اشعار عشق کی کیفیت سے متصف، معشوق کے جمال کی تعریف اور وصال و فراق پر مبنی ہوتے ہیں اور ایسی مجالس میں اکثر سادہ لوح عوام بیٹھے ہوتے ہیں جن کے اندر شہوت کے جذبات امنڈتے رہتے ہیں اور خوبصورت و ملیح چہروں کی طرف ان کے دل و دماغ متوجہ رہتے ہیں وہ جب ایسے اشعار سنتے ہیں تو ان میں شہوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ ایسے کلام پر جھوم اٹھتے ہیں اور وجد میں آجاتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسی شاعری

---

48 ابن بطال، **شرح صحیح البخاری**،۹: ۳۱۹

49 الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، **احیاء علوم الدین**، (بیروت: دار المعرفۃ، س ن)، ۱: ۳۶

سن کر نوبت فساد و بگاڑ تک چلی جاتی ہے اس لیے صرف ایسے اشعار ہی پڑھنا اور سنانا جائز ہے جس میں کوئی موعظت و حکمت کی بات ہو اور بطور دلیل یا لوگوں کو مانوس کرنے کے لیے انہیں استعمال کیا جائے۔"

خلاصہ بحث اشعار تین قسم کے ہیں۔

۱۔ ایسے اشعار جو جھوٹ، باطل اور گمراہی پر مبنی ہوں منع ہیں۔

۲۔ ایسے اشعار جن میں فحاشی و عریانی کی اشاعت اور شہوانی جذبات کو برانگیختہ کیا جائے یہ بھی منع ہیں۔

۳۔ ایسے اشعار جو حکمت و موعظت پر مبنی ہوں اور شرعی تعلیمات کے مطابق ہوں وہ جائز ہیں۔

بذریعہ مسجد:

مسجد میں چونکہ نماز پنجگانہ باجماعت ادا کی جاتی ہے امیر و غریب سب ایک مقام پر جمع ہوتے ہیں اس لیے مساجد کو بھی دعوت و تفہیم دین کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا گیا اور مساجد کی تعمیر کرنے کو بڑے اجر و ثواب کا باعث قرار دیا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الجَنَّةِ[50]

"جو اللہ تعالی کی رضا کے لیے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں اسی کی مثل گھر بنائے گا۔"

اور جو شخص اللہ تعالی کے گھر میں بیٹھ کر دعوت دین کا کام کرتا ہے اس پر خدا تعالی کی طرف سے خصوصی برکات و رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمِ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ[51]

"اور جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور اس کی تعلیم میں مصروف ہوتے ہیں ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس موجود فرشتوں میں کرتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ دور نبوی ﷺ سے لے کر آج تک مساجد کی تعمیر اور ان میں دعوت و تفہیم دین کے سلسلے جاری ہیں اس طرح مسجد کا کردار بھی ابلاغ میں نہایت اہم ہے۔ دور نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کے دور میں مسجد کا کردار

---

50 الترمذی، **السنن**، ۲: ۱۳۴، حدیث: ۳۱۸

51 مسلم، الامام، **الصحیح**، ۴: ۲۰۷۴، حدیث: ۲۶۹۹

بہت جامع تھا وہ صرف عبادات اور تلاوت تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں اہم قومی فیصلے ہوتے تھے اور جملہ شرعی معاملات مثلاً جہاد کے لیے لشکر کی روانگی، عدالتی امور، معاشرتی مسائل کا حل، وعظ و نصیحت، نسل نو کی تربیت، رشد وہدایت کا سرچشمہ، اسلام کی نشرو شاعت کا گہوارہ اور فلاح انسانیت کا مرکز اور محور تھی جس سے اتفاق واتحاد، اخوت، خدا ترسی، ہمدردی اور غم خواری سمیت دیگر محاسن اخلاق کا درس ملتا تھا۔ جملہ امور مسجد میں طے ہوتے تھے اس بارے میں اہم اعلانات اور پیغامات کے لیے مسجد کو استعمال کیا جاتا تھا۔ نسلی اور لسانی تعصب کے خاتمہ میں بھی مسجد کا کردار مثالی ہے کہ ایک ہی صف میں امیر و غریب اور شاہ و گدا اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ درس وتدریس کے حلقے میں مساجد میں قائم ہوتے تھے۔ ایمان ویقین کے جذبے یہیں سے پروان چڑھتے تھے۔ مسجد جہاں دارالخلافہ اور مرکزیت کا منبع تھی وہاں غریب اور مسافر لوگوں کے لیے جائے پناہ بھی تھی۔ جب تک مسجد کا یہ مقام تھا امت مسلمہ میں وحدت و یگانگت باقی رہی جیسے جیسے مسجد کا کردار محدود کیا گیا ویسے ہی امت مسلمہ مسائل کے گرداب میں پھنستی چلی گئی وحدت ملی افتراق وانتشار کی نذر ہوتی گئی اس لیے اگر ہم اپنے جملہ مسائل کا حل چاہتے تو ہمیں مسجد کی سابقہ حیثیت بحال کرنی ہوگی صرف اسے نماز اور تعلیم و تعلم کا محدود کرنا مسائل کے حل کے لیے کافی نہیں ہے۔

بذریعہ سفر:

دعوت و تفہیم دین کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے سفر بھی فرمائے چنانچہ سفر طائف اس کی مشہور مثال ہے اسی طرح مقامی سطح پر عوامی اجتماعات میں تشریف لے جاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے چنانچہ اس پس منظر میں آپ ﷺ کا بازاروں میں جانا احادیث سے ثابت ہے کیونکہ ایسے مقامات اور اجتماعات بھی ابلاغ کا ذریعہ تھے جہاں مختلف قسم کے لوگ اکٹھے ہوتے تھے اور ان کے ذریعے دیگر لوگوں تک دین کی باتیں پہنچ جاتیں۔ حدیث میں آتا ہے ایک مرتبہ آپ ﷺ بازار تشریف لے گئے اور تاجروں کو مخاطب کر کے کہا:

يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، إِنَّ الشَّيْطَانَ، وَالإِثْمَ يَحْضُرَانِ البَيْعَ، فَشُوبُوا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ[52]

" فرمایا اے تاجروں کی جماعت خرید وفروخت میں شیطان اور گناہ دونوں موجود ہوتے ہیں لہذا تم لوگ اپنی خرید وفروخت کے صدقے کو ساتھ ملا دیا کرو۔"

[52] الترمذی، **السنن**، ۲: ۱۳۴، حدیث: ۳۱۸

اس حدیث میں صدقہ کی ترغیب دی گئی کہ خرید وفروخت کے وقت شیطان موجود ہوتا ہے جس کی کوشش ہوتی کہ کوئی گناہ کا کام کرادے اس لیے نہ صرف گناہوں سے بچنا ہے بلکہ صدقہ وخیرات بھی کریں تاکہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

اسی طرح ایام حج میں مختلف علاقوں کے لوگ مکہ معظمہ میں جمع ہوتے تھے آپ ﷺ ان کو بھی اسلام کی دعوت دیتے تھے۔[53] چنانچہ اصحاب رسول ﷺ نے بھی دعوت دین اور علوم دینیہ کے اخذ وعطا کے لیے طویل سفر کیے۔

امام احمد بن حنبلؒ (م-۲۴۳ھ) نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے صرف ایک حدیث سننے کے لیے ایک ماہ کا سفر کیا اور شام جا کر حضرت عبد اللہ بن انیس الانصاری سے حدیث سنی۔[54] اسی طرح حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے ایک حدیث کے لیے مصر کا سفر کیا اور حضرت عقبہ بن عامرؓ سے حدیث سنی اور مدینہ واپس تشریف لائے۔[55]

تفریحی سرگرمیوں کے ذریعہ تبلیغ دین:

آپ ﷺ نے سیر و تفریح کے ذریعہ بھی تبلیغ دین کی ہے مثلاً ایک مرتبہ دوران سفر حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے ساتھ دوڑ لگائی اس وقت حضرت عائشہؓ نے یہ دوڑ جیت لی اور کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ کسی سفر میں پھر دوڑ کا مقابلہ ہوا تو اس مرتبہ ﷺ ان سے آگے نکل گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا:

هَذِهِ بِتِلْكَ[56]

''آج کی یہ جیت اس دن کا بدلہ ہو گئی۔''

بظاہر یہ ایک دوڑ معلوم ہوتی ہے مگر در حقیقت اس میں اہل خانہ کی دلجوئی اور ان کے ساتھ خوش طبعی کی تبلیغ مقصود تھی کہ بیوی کے ساتھ سیر و تفریح کرنا یہ بھی باعث ثواب ہے۔ایک دفعہ مسجد نبوی میں حبشی کھیل پیش کر رہے

---

[53] کاندھلوی، ادریس، مولانا، **سیرۃ المصطفی**، (کراچی: ، الطاف اینڈ سنز، س۔ن)، ۱: ۳۲۷

[54] احمد بن حنبل، الامام، **المسند**، ۲۵: ۴۳۱، حدیث ۱۶۰۴۲

[55] احمد بن حنبل، الامام، **المسند**، ۲۸: ۶۵۶، حدیث: ۱۷۴۵۴

[56] احمد بن حنبل، **المسند**، ۴۳: ۳۱۳، حدیث: ۲۶۲۷۷

تھے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے کی اجازت دی۔[57] ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے انہیں روکنا چاہا آپ ﷺ نے فرمایا:

دَعْهُمْ يَا عُمَرُ[58]

''اے عمر ان کو چھوڑ دو۔''

آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے درمیان گھڑ سواری کا مقابلہ کراتے تھے۔([59])اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو گھڑ سواری اور تیر اندازی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وَارْمُوا، وَارْكَبُوا، وَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُواالَيْسَ مِنَ اللَّهْوِ إِلَّا ثَلَاثٌ: تَأْدِيبُ الرَّجُلِ فَرَسَهُ، وَمُلَاعَبَتُهُ أَهْلَهُ، وَرَمْيُهُ بِقَوْسِهِ وَنَبْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عَلِمَهُ رَغْبَةً عَنْهُ، فَإِنَّهَا نِعْمَةٌ تَرَكَهَا ، أَوْ قَالَ كَفَرَهَا[60]

''پس تیر اندازی کرو اور سواری کرو (یعنی تیر اندازی اور گھوڑ سواری سیکھو) لیکن میرے نزدیک سواری کی نسبت تیر اندازی زیادہ پسندیدہ ہے کوئی کھیل نہیں ہے مگر تین چیزیں ایک اپنے گھوڑے کی تربیت کرنا۔ دوسرے بیوی کے ساتھ ملاعبت۔ تیسرے اپنے تیر کمان سے تیر اندازی کرنا اور جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دے تو اس کو جان لینا چاہیے کہ تیر اندازی ایک نعمت تھی جو اس نے چھوڑ دی یا یہ فرمایا اس نے نعمت کی ناقدری کی۔''

ملا علی القاریؒ (م-۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

وفي معناها كل ما يعين على الحق من العلم والعمل إذا كان من الأمور المباحة، كالمسابقة بالرجل والخيل والإبل، والتمشية للتنزه على قصد تقوية البدن، وتطرية الدماغ، ومنها السماع إذا لم يكن بالآلات المطربة المحرمة [61]

''اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو حق پر چلنے میں معاون ہو علم سے متعلق ہو یا عمل کے جب کہ وہ چیز مباح امور میں سے ہو جیسا کہ لوگوں کے ساتھ دوڑ کا مقالہ، گھڑ سواری اور اونٹ دوڑانے کا مقابلہ اسی طرح بدن کو

---

[57] البخاری، **الجامع الصحیح**، ۷: ۳۸، حدیث: ۵۲۳۶

[58] البخاری، **الجامع الصحیح**، ۴: ۳۸، حدیث: ۲۹۰۱

[59] البخاری، **الجامع الصحیح**، ۱: ۹۱، حدیث: ۴۲۰

[60] ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، **السنن**، (بیروت: المکتبۃ العصریہ)، ۳: ۱۳، حدیث: ۲۵۱۳

[61] ملا علی القاری، **مرقاۃ المفاتیح**، (بیروت: دار الفکر، ۱۴۲۲ھ)، ۶: ۲۵۰۳

قوت پہنچانے کے ارادہ سے پیدل چلنا اور دماغ کو تروتازہ رکھنا اور سماع بشرطیکہ آلات محرمہ جو مستی طاری کرنے والے ہیں ان کے ساتھ نہ ہو۔"

کیونکہ ایسا جائز کھیل جس سے ورزش ہو اور جسم میں مضبوطی پیدا ہو یہ شرعا مباح ہے تاکہ انسان چاق وچوبند ہو کر اپنے پروردگار کی عبادت کرے اور محتاجوں کے کام آسکے۔ جہاں یہ معلوم ہوا اسلام جائز اور صاف ستھری تفریح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ وہیں یہ بات بھی واضح ہوئی کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کے لیے تفریحی سرگرمیوں کو بھی بطور ذریعہ استعمال کیا۔ الغرض دور نبوی ﷺ میں دعوت و تفہیم دین کے لیے یہ سب ذرائع اختیار کیے گئے تھے۔

نتائج تحقیق:

دعوت دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو دین میں بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی عظیم کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع فرمایا جنھوں نے اپنے اپنے زمانہ میں لوگوں کو دینی تعلیمات کی طرف بلایا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس لیے ہر دور میں یہ کام جاری رہا پہلے ادوار میں یہ انبیاء کی ذمہ داری تھی مگر جب آپ ﷺ کا دور مبارک آیا تو آپ ﷺ کے ساتھ اس امت کو بھی دعوت الی الخیر کا پابند کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ کے دور مبارک میں دعوت و تفہیم دین کے ابلاغ کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے گئے ان میں ایسے ذرائع بھی اختیار کیے گئے جو عرب میں رائج تھے موثر دعوت کے ذرئع میں یہ سر فہرست تھے آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے روایتی ذرائع کے ساتھ جدید ذرائع بھی اپنائے کیونکہ ماحول، لوگوں کی طبائع اور مزاج کے مطابق ہر ذریعہ اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے اس لیے موقع و محل کی مناسبت سے مختلف ذرائع سے کام لیا گیا جو آج بھی امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اور دعوت و تفہیم دین کے ذرائع میں داعی کے کردار اور خلاق کو بھی بنیادی حیثیت دی آج اس کی اشد ضرورت ہے آج کے ذرائع ابلاغ کے ذریعے دعوت و تفہیم دین پر کام اور گفتگو کرنے والوں میں اسی چیز کی کمی ہے انہیں ان ذرائع کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق و کردار کو بھی منہج نبوی ﷺ کے مطابق ڈھالنا چاہیے تاکہ جہاں بات کا ابلاغ ہو وہاں داعی کے عمدہ کردار و اخلاق سے بات بھی موثر ہو جو کہ مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے۔